

کچھ دیر تو جل لیتے دو

امجد علی خان

کچھ دردِ دل تو جل لینے دو

| صفحہ | عنوان | شمار |
|------|--|------|
| ۱ | انتساب | ۱ |
| ۲ | حکایتِ دل | ۲ |
| ۵ | اے رب ذوالجلال ایسی خلعتِ رضا عطا کر | ۳ |
| ۶ | جو کرتا نہیں شاہِ لولاک سے محبت | ۴ |
| ۷ | کب چاہا تھا کہ محبت ہو جائے | ۵ |
| ۸ | دلِ برباد کو سمجھانے میں کچھ وقت تو لگتا ہے | ۶ |
| ۹ | پلِ پل اس کی یادوں کا حساب مانگتا ہے | ۷ |
| ۱۰ | ان سے اجنبی ہو جانے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے | ۸ |
| ۱۱ | عشق کوئی دریا تو نہیں جو اتر جائے گا | ۹ |
| ۱۲ | انکھوں سے اب تلک اس لمحے کی حیرت نہیں جاتی | ۱۰ |
| ۱۳ | ترا نغمہ؎ نو بہار سن نہ پاؤں گا میں | ۱۱ |
| ۱۴ | شام ڈھلے ان آنکھوں میں نمی اتر آتی ہے | ۱۲ |
| ۱۵ | جانِ جاناں تیری یاد کی گلیوں میں | ۱۳ |
| ۱۶ | آنکھوں کے ساون دریا ئے دل کو اترنے نہیں دیتے | ۱۴ |
| ۱۷ | باغِ نو بہار میں ہواؤں کو جلتے ہوئے دیکھا ہے | ۱۵ |
| ۱۸ | ٹوٹ کے بکھرنا چاہتا ہوں، اب تو بکھر جانے دو | ۱۶ |
| ۱۹ | احساس کی پلکوں پہ رکھ کر تیری شبیہی یادیں | ۱۷ |
| ۲۰ | ہے عکس مرادِ واضح تیرے شفاف بدن پر | ۱۸ |
| ۲۱ | اک دردِ دلاد واپانے کے واسطے ہم نے | ۱۹ |

کچھ درد تو جل لینے دو

| | | |
|----|--|----|
| ۲۰ | بکھر رہا ہوں پردیس کی ہواؤں میں ایسے | ۲۲ |
| ۲۱ | عشق میں لمحوں کی تھکن صدیوں کا سفر ٹھہری | ۲۳ |
| ۲۲ | جس کی یاد کے لمس سے جل اٹھتے ہیں دل کے دیے | ۲۴ |
| ۲۳ | وفا کے ہوں کہ جفا کے ہوں | ۲۵ |
| ۲۴ | قطرہِ شبنم سے دھویا ہے غبارِ دل | ۲۶ |
| ۲۵ | اب کے بہکا تو سنبھل نہ پاؤں گا میں | ۲۷ |
| ۲۶ | کب کہا تھا تم سے اک دن لوٹ کے آؤں گا میں | ۲۸ |
| ۲۷ | ہر پل لہو لہو ہوئیں مری آنکھیں | ۲۹ |
| ۲۸ | ہم سے تقاضا کہ پاسِ ادب ملحوظ رکھا جائے | ۳۰ |
| ۲۹ | سنہری یادیں، سرمئی شامیں | ۳۱ |
| ۳۰ | وہ عشق بھی ہے شکوہ کناں | ۳۲ |
| ۳۱ | پھول، پتے، رنگ و ہوا سبھی ترے نام لکھ دوں | ۳۳ |
| ۳۲ | قطرہ قطرہ زہر پلاتی ہے زندگی | ۳۴ |
| ۳۳ | پھیکی پڑی محبت، داستانِ ہجر تمام ہوئی | ۳۵ |
| ۳۴ | لہجوں میں بس گئی ہے زمانوں کی تھکن | ۳۶ |
| ۳۵ | الجھوں ایسا کہ سلجھ نہ پاؤں کہیں | ۳۷ |
| ۳۶ | عذابِ نار سائی اک عمر سہنا چاہتا ہوں | ۳۸ |
| ۳۷ | حاصلِ عشق ہے اک جامِ نار سائی | ۳۹ |
| ۳۸ | حکایتِ دل کہنے کا کہاں یارا نہ تھا | ۴۰ |
| ۳۹ | نفرتوں کے اس کھیل میں سبھی ہار گئے | ۴۱ |

کچھ درد تو جل لینے دو

| | | |
|----|---|----|
| ۴۰ | پنکھڑی گلاب کو بھی شکوہ ہے خوشبو سے اپنی | ۴۲ |
| ۴۱ | چاہتوں کے سبھی دریا جب اتر جاتے ہیں | ۴۳ |
| ۴۲ | عشق ہے کہ اک طوقِ رسوائی ہے | ۴۴ |
| ۴۳ | گہرے ہونے لگیں جب احساسِ نارسائی کے سائے | ۴۵ |
| ۴۴ | کرب نارسائی اک زہر ہے جسے پینا ہے | ۴۶ |
| ۴۵ | طوفانِ عشق ہے منہ موڑا نہیں جاسکتا | ۴۷ |
| ۴۶ | ریزہ ریزہ ہو چلے ہیں سبھی احساسِ میرے | ۴۸ |
| ۴۷ | لہجے ترے کی سبھی ملاکتیں یاد آتی ہیں | ۴۹ |
| ۴۸ | دہلیزِ دل پہ اٹک گئیں ہیں سانسیں | ۵۰ |
| ۴۹ | شہرِ خموشاں میں چلنے لگی ہے ہوائے عشق | ۵۱ |
| ۵۰ | لبوں پہ مرے ٹھہر جاتے ہیں قوسِ قزح کے رنگ | ۵۲ |
| ۵۱ | تیرے سبب دل کی اداسیاں نہیں جاتیں | ۵۳ |
| ۵۲ | آنکھ سے تری عذابِ نارسائی چھلکتا ہے | ۵۴ |
| ۵۳ | آنکھ مری جو بھر آئی ہے کوئی سبب تو ہوگا | ۵۵ |
| ۵۴ | رنگِ عشق کے کچے ہوں یا پگے | ۵۶ |
| ۵۵ | تجھ بن | ۵۷ |
| ۵۶ | کچھ رشتوں کو اوڑھ کے جینا پڑتا ہے | ۵۹ |
| ۵۷ | دل کے درو دیوار پہ اداسی چھا گئی ہے | ۶۰ |
| ۵۸ | حیا کے بوجھ سے لرزتی تھی جس کی پلکیں | ۶۱ |
| ۵۹ | چراغی ہے گلابوں نے کیا خوائے حیاتم سے | ۶۲ |

کچھ دیر تو جل لینے دو

| | | |
|----|--|----|
| ۶۰ | دل سے میرے گو تیرے لیے بے اعتباریاں نہیں جاتیں | ۶۳ |
| ۶۱ | میری یادوں کے روبرو ہو کر کیا اب بھی | ۶۴ |
| ۶۲ | جن حرفوں کو | ۶۵ |
| ۶۳ | بے بسی میں گرتا ہوں جس سجدہء عشق کے لیے | ۶۶ |
| ۶۴ | فصل گل نے بے اعتبار کیا ہے مجھے | ۶۷ |
| ۶۵ | آتشِ نمرود میں چھوڑ کر مرا ہاتھ کہتا ہے مجھے | ۶۸ |
| ۶۶ | کوہِ طور پہ چاہی تھی تری اک جھلک | ۶۹ |
| ۶۷ | قسمت گل نے لکھے میرے لئے دکھوں کے نصاب | ۷۰ |
| ۶۸ | بے اعتباریوں کے اس موسم میں یہ اعتبار کون دے گا؟ | ۷۱ |
| ۶۹ | عشق کو سمجھنے سمجھانے میں دیر سویر تو ہی جاتی ہے | ۷۲ |
| ۷۰ | گرجا جازت ہو، زلفِ یار سے کچھ رنگ چرالوں | ۷۳ |
| ۷۱ | ریشہ ریشہ جاں جل رہا ہے آہستہ آہستہ | ۷۴ |
| ۷۲ | وقت کو ہر سانس کا حساب دینا ہے | ۷۵ |
| ۷۳ | ہر مظلوم کو مل سکیں عدل کی برکات | ۷۶ |
| ۷۴ | کوچہء عشق کے ہر گلاب کو جلا دو | ۷۷ |
| ۷۵ | دے کر عرفان دردِ آگہی کا، معتبر کیا مجھے | ۷۸ |
| ۷۶ | ریگ زارِ محسن میں کب سے پچا ہے یہ کر بلا | ۷۹ |
| ۷۷ | ہر ریشہء جاں سے آرہی ہے صدا کر بلا کر بلا | ۸۰ |
| ۷۸ | ضبط | ۸۱ |
| ۷۹ | صحرائے عشق کی بارش، پیغامِ نولائی ہے یہ | ۸۲ |

کچھ درد تو جل لینے دو

| | | |
|----|---|-----|
| ۸۰ | مجھ میں کہاں جمالِ ہنر شعر گوئی کا | ۸۳ |
| ۸۱ | بلا عنوان | ۸۴ |
| ۸۲ | روح مری کے درو دیوار جلا دے جو | ۸۵ |
| ۸۳ | پل صراطِ عشق پہ پھسل نہ جاؤں کہیں | ۸۶ |
| ۸۴ | کس نے کہا عشق ملال دیتا ہے | ۸۷ |
| ۸۵ | یہ پل صراطِ عشق ہے سنبھل کے قدم رکھیو! | ۸۸ |
| ۸۶ | تیری یادوں کا عذاب اب سہا نہیں جاتا | ۸۹ |
| ۸۷ | اک خلد بریں پانے کے واسطے | ۹۰ |
| ۸۸ | مرے لہجوں کی تھکن بتا دیتی ہے | ۹۱ |
| ۸۹ | فصیلِ جاں میں بس جاتی ہے زمانوں کی تھکن | ۹۲ |
| ۹۰ | حرفِ حرفِ ملامت ہوئی ہے زندگی | ۹۳ |
| ۹۱ | فصیلِ عشق میں قید ہیں رہائی نہیں چاہئے | ۹۴ |
| ۹۲ | روگِ ہجر کا دلوں کو کھا جاتا ہے | ۹۵ |
| ۹۳ | ساون | ۹۶ |
| ۹۴ | گم شدہ | ۹۷ |
| ۹۵ | ہر حسن کو زوال ہے اس پہ اترا یسے نہ | ۹۹ |
| ۹۶ | سرشاری | ۱۰۰ |
| ۹۷ | کون کہتا ہے عشق لاوارث کر دیتا ہے | ۱۰۱ |
| ۹۸ | وجی | ۱۰۲ |
| ۹۹ | روگِ ہجر | ۱۰۳ |

کچھ درد تو جل لینے دو

| | | |
|-----|---|-----|
| ۱۰۰ | معراجِ عشق | ۱۰۴ |
| ۱۰۱ | ازل کی بے قرار یوں کو قرار ملتا ہے | ۱۰۵ |
| ۱۰۲ | وہ شوخ نگاہیں، وہ تری بے باک آنکھیں | ۱۰۶ |
| ۱۰۳ | اشکِ یار سے مانگی ہیں وہ بارشیں | ۱۰۷ |
| ۱۰۴ | اک عمر کٹی ہے مری ترے عشق کے امتحانوں میں | ۱۰۸ |
| ۱۰۵ | وقت نے ڈالیں پاؤں میں مرے سفر کی بیڑیاں | ۱۰۹ |
| ۱۰۶ | پیشانی سے جاتا نہیں داغِ ہجر | ۱۱۰ |
| ۱۰۷ | لاکھ کیے ہیں سجدے تیری بارگاہ میں مگر | ۱۱۱ |
| ۱۰۸ | کیا معجزہ چھپا ہوا ہے تیرے دستِ مسیحائی میں | ۱۱۲ |
| ۱۰۹ | نئے خواب | ۱۱۳ |
| ۱۱۰ | مومی احساس | ۱۱۴ |
| ۱۱۱ | ڈھونڈ ہی لیتے ہیں | ۱۱۵ |
| ۱۱۲ | یادوں کی سلگتی سانسوں تلے | ۱۱۶ |
| ۱۱۳ | پھرے ہے انسانیت تلاشتی کسی ابراہیم کو | ۱۱۷ |
| ۱۱۴ | اُمید | ۱۱۸ |
| ۱۱۵ | سجوک | ۱۲۱ |
| ۱۱۶ | کس سے کہوں دکھڑے سارے | ۱۲۳ |
| ۱۱۷ | بارگاہِ عشق میں اک سجدہ کے لئے | ۱۲۴ |
| ۱۱۸ | بوسہٗ عشق میں قید لب کھلیں تو کچھ ایسے | ۱۲۵ |
| ۱۱۹ | چرا لی ہے گلابوں نے خوشبو تری | ۱۲۶ |

کچھ درد تو جل لینے دو

| | | |
|-----|--|-----|
| ۱۲۰ | سجدہ جنوں کی نہیں ہے قضا | ۱۲۷ |
| ۱۲۱ | ہر حرف مرا سسکیاں بھرے ہے | ۱۲۸ |
| ۱۲۲ | روحوں میں سامنے کا ہنر سکھلا دیتا ہے | ۱۲۹ |
| ۱۲۳ | تجھ سے بچھڑ کر | ۱۳۰ |
| ۱۲۴ | انسان کو وعدہ عشق کی تکمیل سکھلا گئی | ۱۳۱ |
| ۱۲۵ | جس تنہائی سے مراد مگھٹنے کو ہے | ۱۳۲ |
| ۱۲۶ | کر کے بے ثمر مری ریاضتیں چھوڑ دیا مجھ کو | ۱۳۳ |
| ۱۲۷ | آس | ۱۳۴ |
| ۱۲۸ | ہجر میں اک عمر بتائی | ۱۳۶ |
| ۱۲۹ | شہر ہجراں سے ہجرت کی اجازت نہ ملی | ۱۳۷ |
| ۱۳۰ | صفحہ ہستی کو جلا دیتا ہے عشق | ۱۳۸ |
| ۱۳۱ | گر کسی سے نفرت کی انتہا ہو | ۱۳۹ |
| ۱۳۲ | وہ گر ہو آمادہ الفت ہم سے | ۱۴۰ |
| ۱۳۳ | انگھیلیاں کرے ہے ہم سے جب تمہارا عشق | ۱۴۱ |
| ۱۳۴ | انتساب | ۱۴۲ |
| ۱۳۵ | خوئے جنوں نے کھلائے ہیں عشق کے وہ گلاب | ۱۴۳ |
| ۱۳۶ | ہر بیمارِ عشق کے لئے اک دعا ہو جاؤں | ۱۴۴ |
| ۱۳۷ | نصاب عشق کا تقاضا ہے بھی فقط اتنا | ۱۴۵ |
| ۱۳۸ | رکھ کر محراب عشق پہ شوق کے سجدے | ۱۴۶ |
| ۱۳۹ | وقت کی سان پہ چڑھ جاتی ہے | ۱۴۷ |

کچھ دیر تو جل لینے دو

| | | |
|-----|---|-----|
| ۱۴۸ | نصاب عشق کا حرف حرف سکے ہے | ۱۴۰ |
| ۱۴۹ | نین پلک کنارے سجے انتظار کے موسم | ۱۴۱ |
| ۱۵۰ | ہر بے بسی کو جراتِ رندانہ بنا دیتا ہے | ۱۴۲ |
| ۱۵۱ | معراج عشق ہوتی نہیں اسے نصیب | ۱۴۳ |
| ۱۵۲ | اوّلین باب | ۱۴۴ |
| ۱۵۳ | آوارہ زلفیں | ۱۴۵ |
| ۱۵۴ | نیندیں | ۱۴۶ |
| ۱۵۵ | سجدہ شوق کبھی نہ ہو مجھ سے قضا | ۱۴۷ |
| ۱۵۶ | عشق کے نصاب | ۱۴۸ |
| ۱۵۷ | کٹھور | ۱۴۹ |
| ۱۵۸ | اسے بھی مات ہوئی بازی عشق میں آج | ۱۵۰ |
| ۱۵۹ | جدائیاں مار دیتی ہے | ۱۵۱ |
| ۱۶۴ | کب کوئی زندہ رہ پاتا ہے؟ | ۱۵۲ |
| ۱۷۲ | خود کلامی | ۱۵۳ |
| ۱۷۳ | شام ڈھلے، الاؤ تیری یادوں کے دہکنے لگتے ہیں | ۱۵۴ |
| ۱۷۴ | تینوں فکر نہ کوئی | ۱۵۵ |
| ۱۷۶ | بھوک | ۱۵۶ |
| ۱۷۸ | لگا کر مجھے سینے سے سلا دیتی ہے | ۱۵۷ |

کچھ دیر تو جل لیتے دو

انتساب

ان بے قرار یوں کے نام

جنہیں

آغوشِ یار میں آ کر بھی

قرار نہ ملا

حکایت دل

من چاہی آشنائیاں جب ان چاہی چاہتوں میں بدلنے
لگیں تو آسمانِ تخلیق سے دل نارسا پہ وحیِ عشق کا نزول رک جاتا ہے۔
زماے بیت جاتے ہیں اور حرفِ وفا و جفا کہنے اور لکھ پانے کا حوصلہ نہیں
رہتا۔ نارسائیوں اور بے اعتنائیوں کے دُر آنے سے تصورِ تخلیق کے بازو
شل ہونے لگتے ہیں، الہامی کیفیات کی عدم وجودگی سارے حروف سے
محروم کر دیتی ہے اور پھر یہیں سے شروع ہوتا ہے ہجر کی سنگلاخ وادیوں
کا سفر جو اصل میں اپنے ہی کھوئے ہوئے وجود کو تلاشنے کا نام ہے۔ انسان
کا دوسرے انسانوں سے پچھڑ جانا اک حادثہ کہلاتا ہے لیکن انسان کا اپنے
آپ سے پچھڑ جانا اک المیہ، جو اس کی ذات کے سبھی تانے بانے، تار و پود
ہلا دیتا ہے۔ ایسے میں سر زمین دل کی سبھی زرخیزیاں، بے اعتباریوں کے
موسموں میں ڈھل جاتی ہیں۔ اور سر زمین دل پہ خزاں رتوں کی فضل اگا
دیتی ہیں

کچھ دیر تو جل لینے دو

صاحبِ حرف ہونے سے بڑھ کر کوئی رتبہ، کوئی اعزاز نہیں اور نہ ہی
دردِ آگہی سے بڑھ کوئی دولت۔

ہجرتوں کا سفر آسان نہیں ہوتا، یہ جانگسل و جاں لیوا رتوں کا سفر
ہے، بے نور شاموں اور جگ رتوں کا سفر ہے جسے اپنے ہی تن من کی
وادیوں، صحراؤں، جنگلوں اور بیابانوں میں طے کرنا پڑتا ہے۔ انسان کا یہ
سفر خلد بریں سے دیس نکالے سے شروع ہوا اور شاید اس میں پھر سے
دخول تک جاری رہے گا۔ اربوں انسانوں کے اس المناک المیے کو ہزاروں
اذہان و قلوب و قلم نے اپنے اپنے اندازِ بیان اور پیرائے میں بیان کیا ہے
اور کرتے رہیں گے تا وقتیکہ الہامِ حرف کا سلسلہٴ نزول اپنے انجام کو
چھو لے۔

میں نے جو لکھا وہ شاعرانہ سخن نہیں بلکہ کیفیاتِ خود کلامی ہے، اور
خود کلامی اگر الہامی احساسات میں ڈھل جائے تو شاید اثربزیری کی دولت
کو پالے۔ صفحہ قرطاس پر ان بکھری بکھری کیفیات و احساسات کو آپ جو

کچھ دے تو جل لینے دو

چاہے نام دے لیں، اگر یہ خود کلامی کسی کی آنکھ کے سوختہ جان آنسو کے
لیے راحت جاں ہو گئی تو از حد باعث الطاف ہوگی۔

امجد علی خان

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۱

اے رب ذوالجلال ایسی خلعتِ رضا عطا کر
آنے والی ہر کرب و بلا کو جو ٹال دے
مرے سجدوں میں سما جائے انتہائے بندگی
ایسا عشق عطا کر مجھے اور ایسا خیال دے

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۲

جو کرتا نہیں شاہِ لولاک سے محبت
اسے انساں کہلانے کا حق بھی نہیں

۶

کب چاہا تھا کہ محبت ہو جائے
آنکھ رونے لگے، دل سو جائے
دیکھ ویرانی دل اب خیال آتا ہے
کیوں نہ زندگی کی شام ہو جائے
ٹوٹ کے بکھروں تو کوئی سمیٹ نہ پائے
زندگی ریت پہ نقش اک خیال ہو جائے
فگار انگلیوں سے کیسے لکھوں مرثیہء زندگی
گر آبلہ پائی ہی اس کے لئے دعا ہو جائے

کچھ دیر تو جل لینے دو

۴

دلِ برباد کو سمجھانے میں کچھ وقت تو لگتا ہے
زندگی کو زندگی بنانے میں کچھ وقت تو لگتا ہے

۸

پل پل اس کی یادوں کا حساب مانگتا ہے
یہ دل اپنے لیے کیوں عذاب مانگتا ہے
سجدہء عشق نارسائیوں کی محراب مانگتا ہے
جلیں دروہام جس سے وہ ماہتاب مانگتا ہے

ان سے اجنبی ہو جانے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے
آشنائیوں کو ڈھل جانے وقت ہی کتنا لگتا ہے
اک عمر بیت جاتی ہے برگ و بر لانے میں
خزاؤں کو اتر جانے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے
حرمتِ ردا کو پانے میں اک حشر بیت جائے
دل سے اتر جانے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے
تڑپتی تعبیروں کو پانے کے لیے عمرِ حاضر چاہئے
آنکھ کو خواب سجانے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے
ماہِ تاباں کو اپنے گھر میں دیکھنے کی چاہ میں
اپنے دل کا دیا بجھانے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے

عشق کوئی دریا تو نہیں جو اتر جائے گا
وہ تو ہے خوشبو چار سو بکھر جائے گا
ہر سو پیا ہیں یہاں زاغوں کی چچھاہٹیں
نغمہٴ بلبل صحراؤں میں اُجڑ جائے گا

انکھیوں سے اب تلک اس لمحے کی حیرت نہیں جاتی
چشمِ نم کے ساتھ اپنا ہاتھ جب اس نے چھڑوایا تھا
اک عمر سے ہوں اسی کے بھنور میں غوطہ زن
اس کے ہجر کا جو طوفان ان آنکھوں میں اتر آیا تھا

ترا نغمہ؎ نو بہار سن نہ پاؤں گا میں
سحر عشق کی بازگشت میں ہوں ابھی
چڑھتا نہیں کبھی مئے نو کا نشہ مجھے
عشقِ اوّلیں کے خمار میں ہوں ابھی

شام ڈھلے ان آنکھوں میں نمی اتر آتی ہے
اداسیوں کی اک چادر چار سو تن جاتی ہے
جس کے تصور سے آتی تھی گلاب سی خوشبو
ذکر سے اس کے اب تھکن کیوں دُر آتی ہے
نام سے جس کے ہوا ساز میں ڈھل جاتی تھی
ہر امید کی لو کو اب اس کی یاد بجھا جاتی ہے

جان جاناں تیری یاد کی گلیوں میں
مراد دل پھرتا ہے بن کے اک بنجارا
رت جگے بسیرا کر لیں گے ان میں
اتر نہ پائے آنکھ میں کوئی خواب آوارہ

آنکھوں کے ساون دریائے دل کو اترنے نہیں دیتے
احساس تیری خوشبوؤں مجھے کبھی بکھرنے نہیں دیتے

باغِ نو بہار میں ہواؤں کو جلتے ہوئے دیکھا ہے
شفاف دلوں میں رنجشوں کو پلتے ہوئے دیکھا ہے
بادِ سموم کہ چلی ہے گلستاں میں اب ایسے
سرخ گلابوں کو سیاہیوں میں ڈھلتے ہوئے دیکھا ہے

ٹوٹ کے بکھرنا چاہتا ہوں ، اب تو بکھر جانے دو
شامِ زیست کب کی ہو چکی ، اب تو گھر جانے دو
اسے چاہ ہے ماہِ کامل میں ڈھل جانے کی
اسی واسطے ہمیں شبِ اماوس بن جانے دو
شبِ ہجراں طویل ہوئی حسنِ زلف کی صورت
وصلِ آرزو کو صورتِ حشر ، اب ڈھل جانے دو

احساس کی پلکوں پہ رکھ کر تیری شبِ نمنی یادیں
معبودِ دل میں یوں سجدہِ عشق کیا میں نے

ہے عکس مرا واضح تیرے شفاف بدن پر
ہو کر روبرو آئینہ تو دیکھ لے

اک دردِ لا دوا پانے کے واسطے ہم نے
چوکھٹِ عشق پر زمانے بتا دیے ہم نے
معلوم بھی تھا کہ شبِ وصال نہیں نصیب اپنا
دیئے وصلِ آرزو کے کب کے بچھا دیے ہم نے

بکھر رہا ہوں پردیس کی ہواؤں میں ایسے
بکھر جائے کوئی ساون صحراؤں میں جیسے

عشق میں لمحوں کی تھکن صدیوں کا سفر ٹھہری
کسی کو شبِ آرزو ملی تو نارسائی اپنا مقدّر ٹھہری

جس کی یاد کے لمس سے جل اٹھتے ہیں دل کے دیے
مدت ہو چلی اسے اس دل کا مہمان کیے ہوئے
خوشبوؤں کا خاصہ تو بکھرنا تھا سو وہ بکھر گئیں
کیوں رکھتا ہوں دل کو یوں بے کل کیے ہوئے

وفا کے ہوں کہ جفا کے ہوں
رشتے تو پھر رشتے ہوتے ہیں
خطائیں سبھی مرے نام لکھ دو
فطرتاً تو سبھی فرشتے ہوتے ہیں

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۲۲

قطرہءِ شبنم سے دھویا ہے غبارِ دل
پل پل تری یاد میں رویا ہے دل

۲۶

اب کے بہکا تو سنبھل نہ پاؤں گا میں
اتنے بھی پاس مرے تم آیا نہ کرو
زمانے کو عادت نہیں ہے تری جفاؤں کی
ہر کسی سے ربط اتنا تم بڑھایا نہ کرو
یادوں کی تری بھول بھلیاں ہی کافی ہیں
زلف کے افسانے میں یوں الجھایا نہ کرو

کب کہا تھا تم سے اک دن لوٹ کے آؤں گا میں
تہی دامن ہوں پردیس کی مٹی اوڑھ کے سو جاؤں گا میں

ہر پل لہو لہو ہوتیں مری آنکھیں
ترے لیے ایسے روئیں مری آنکھیں
مرے ہیں نہ جئے ہیں
سانسیں ہیں کہ اٹکی ہوئی پھانسیں

ہم سے تقاضا کہ پاسِ ادب ملحوظ رکھا جائے
عینِ عشق سے حسن کیونکر محفوظ رکھا جائے

سنہری یادیں ، سرمئی شامیں
کیا کیا نہ یاد آیا دم تنہائی
کس یاد نے کی یوں دستک
دل سسک پڑا ، آنکھ بھر آئی

وہ عشق بھی ہے شکوہ کناں
جسے اک عمر جئے بیٹھے ہیں
اتنا تو یقین ہے حرفِ دعا پہ
معبود کو عرشِ بریں کیے ہیں

پھول، پتے، رنگ و ہوا سبھی ترے نام لکھ دوں
جاں کی اماں جو پاؤں تو جان ترے نام لکھ دوں

قطرہ قطرہ زہر پلاتی ہے زندگی
تو اک غزل ہو پاتی ہے

پھیکی پڑی محبت ، داستانِ ہجر تمام ہوئی
زمانہ بھر کی رسوائی یوں اپنے نام ہوئی

لہجوں میں بس گئی ہے زمانوں کی تھکن
راہِ ہجراں کا سفر اتنا بھی آسان نہیں ہوتا
گڑ گئیں آنکھوں میں اماوس کی رُتیں
ان چاہتوں کا سفر اتنا بھی آسان نہیں ہوتا

الجهوں ایسا کہ سلجھ نہ پاؤں کہیں
دیارِ عشق میں یو نہی بے نام ہو جاؤں
سجدہ عشق میں وہ حلاوت دے مجھے
صحیفہ عشق کا اک حرفِ تمام ہو جاؤں

عذابِ نارسائی اک عمر سہنا چاہتا ہوں
جنوں کا اک بابِ ناتمام رہنا چاہتا ہوں

حاصلِ عشق ہے اک جامِ نارسائی
خوشبو کی خوشبو سے ہے جدائی

حکایتِ دل کہنے کا کہاں یارانہ تھا
جسے سوچا وہی حرف اپنا بیگانہ تھا

نفرتوں کے اس کھیل میں سبھی ہار گئے
کچھ کو انا مار گئی کچھ کو اپنے مار گئے
یہ خرابی عشق ہی تھی جو اسے ڈبو گئی
کچے گھڑے پہ ورنہ کتنے ہی عشاق پار گئے
جگر ابراہیم چاہئے آتشِ نمرود کو دہنے کے واسطے
رستے میں ورنہ کتنے ہی نڈر جی اپنا ہار گئے
غیروں نے جو اٹھائیں انگلیاں ، جی برانہ ہوا
تم نے جو اُن سنگ پھول برسائے تو جی اپنا ہار گئے

پتھڑی گلاب کو بھی شکوہ ہے خوشبو سے اپنی
دمِ مرگ سے پہلے ہوا میں بکھر کیوں نہیں جاتی

چاہتوں کے سبھی دریا جب اتر جاتے ہیں
گلاب عشق کے صحراؤں میں بکھر جاتے ہیں

عشق ہے کہ اک طوقِ رسوائی ہے
اس محبت میں تو جاں پہ بن آئی ہے
ہاتھ ہیں کہ اٹھا چکے جامِ نارسائی اور
دلوں میں فصل بے قراری اگ آئی ہے
صدیوں کی نفرت ٹھہر چکی آنکھوں میں
عشق تو ہوائے دوش پہ رکھی رسوائی ہے
بامِ عشق تڑپ رہے ہیں حسرتوں کے لاشے
صحرائے عشق میں یہ کیسی کربلا اُتر آئی ہے

گہرے ہونے لگیں جب احساسِ نارسائی کے سائے
ردا تری یادوں کی اوڑھ کے ہم سو جاتے ہیں
چشمِ تر میں نزول ہونے لگتا ہے اک روشنی کا
احساسِ جمال میں ترے جب ہم کھو جاتے ہیں

کربِ نارسائی اک زہر ہے جسے پینا ہے
اک عمر رائیگاں ہے جسے تجھ بن جینا ہے
رفوگری کی ابجد سے نا آشنا ہوں لیکن
تارتار پیراہنِ عشق ہے جسے مجھے سینا ہے
اک شبِ ہجراں ہے جو ٹھہر چکی آنکھوں میں
مدتوں تک رت جگوں کا زہر اب مجھے پینا ہے

طوفانِ عشق ہے منہ موڑا نہیں جا سکتا
بیچ راہ ہاتھ یوں چھوڑا نہیں جا سکتا

سبزہ سبزہ ہو چلے ہیں سبھی احساس میرے
بے موسم بارشوں نے جو ادھیڑے خواب میرے
شہر ہجراں میں ترے بنا ہر لمحہ اک خواب ہوا
چشمِ آرزو کی پلک پہ سجا ہر قطرہ لہو اک عذاب ہوا

لہجے ترے کی سبھی ملائمتیں یاد آتی ہیں
صبح چہرے ترے کی صباحتیں یاد آتی ہیں
روح بے قرار میں اتر آتی ہیں اداس رُتیں
بے موسم خزاؤں میں تری ملاحتیں یاد آتی ہیں
رگ رگ میں سما جاتے ہیں سناٹے صحراؤں کے
شبِ جدائی میں جب تری خامشیاں یاد آتی ہیں

دہلیزدل پہ اٹک گئیں ہیں سانسیں
گو نجا ہے لبِ غیر سے نام جو ترا

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۴۷

شہرِ خموشاں میں چلنے لگی ہے ہوائِ عشق
منصور پھر کوئی وفا کی سان پہ چڑھنے کو ہے

لبوں پہ مرے ٹھہر جاتے ہیں قوسِ قزح کے رنگ
اک عالمِ مدہوشی میں لیتے ہیں جب بھی نام تیرا

تیرے سبب دل کی اداسیاں نہیں جاتیں
بھگوان سے ملنے اب اداسیاں نہیں جاتیں
حرص و ہوا ہوئی ہے جو عام شہر میں
شہر بھنبھور اب عشق کی ڈاچیاں نہیں جاتیں

آنکھ سے تری عذابِ نارسائی چھلکتا ہے
بتا تو سہی دکھ کون سا پسِ روح مچلتا ہے

آنکھ مری جو بھر آئی ہے کوئی سبب تو ہو گا
سلطنتِ دل تھر تھرائی ہے کوئی سبب تو ہو گا
تھکنِ روح میں ہے اتر چلی کوئی سبب تو ہو گا
فصلِ گل کی دھرتی اجڑ چکی کوئی سبب تو ہو گا

رنگِ عشق کے کچے ہوں یا پکے
روح میں دور تلک اتر جاتے ہیں
تتلیوں کے دیس کی چاہ میں ہم اکثر
دھکے دھاگوں سے الجھ جاتے ہیں
ان موسموں کا اعتبار کروں تو کیسے
تری طرح جو پل میں بدل جاتے ہیں
مرے پاس رہو تو اچھا ہے مری جاں
لمحے ہجر کے تو حشر میں ڈھل جاتے ہیں

تجھ بن

مرے دل کے
سونے آنگن میں
اوڑھ کے
تیری یادوں کی ردا
اداسی
روح کی مری سو گئی ہے
نوچ لیے
مری بے نور آنکھوں سے

کچھ دیر تو جل لیتے دو

سبھی خواب
کسی نے مرے
تجھ بن جینے کی
عادت سی ہو گئی ہے

کچھ رشتوں کو اوڑھ کے جینا پڑتا ہے
ان چاہے زہرِ آشنائی کو پینا پڑتا ہے
تاقیامت رستا نہ رہے زخمِ جدائی کا
ہجر کے دھاگوں سے اسے سینا پڑتا ہے

دل کے درودیوار پہ اداسی چھا گئی ہے
فصل بہاراں میں ہی خزاں آ گئی ہے
طلسم لب و رخسار سے نہ ہوئے ابھی آشنا
کہ تری زلف سیاہ کیسا غضب ڈھا گئی ہے
رخسار پہ ترے چھائے ہیں وہ دھنک رنگ
گلوں کی لالی بھی کس حیا سے شرما گئی ہے
ماؤں نے جھٹک دیے ہیں بچوں کے ہاتھ
شہر وفا میں ترے اک خوئے جفا سما گئی ہے

حیا کے بوجھ سے لرزتی تھی جس کی پلکیں
سناہے شہر میں وہ اب بے ردا پھرتے ہیں

چرا لی ہے گلابوں نے کیا خوئے حیا تم سے
پروانے کے آنے سے جو یوں شرمائے ہیں
روح کی دراڑوں سے چھلک رہی ہے اداسی
دیوارِ گریہ پہ موسمِ ہجر کے جو سائے ہیں
تلاشنے نکلے تھے صحرائے عشق میں تجھ کو
جسم و جاں سے روح کو وہیں چھوڑ آئے ہیں
اعتبار کے موسموں میں بھی فصلِ بے اعتباری ہے
شہرِ وفا میں تم سے کچھ زخم ہی ایسے کھائے ہیں

دل سے میرے گو تیرے لیے بے اعتباریاں نہیں جاتیں
روح سے مری تجھے ملنے کی کیوں بے قراریاں نہیں جاتیں

میری یادوں کے روبرو ہو کر کیا اب بھی
ارتعاش پا جاتی ہیں سرمگیں پلکیں تیری

۶۰

جن حرفوں کو

چھو لیتے ہو تم

وہ امر ہو جاتے ہیں

ستارے ہو جاتے ہیں

تو

کچھ قمر ہو جاتے ہیں

تتلیوں میں ڈھل جاتے ہیں

شوخی ہواؤں کے دوش پہ چلتے چلتے

لے کر روپ گلابوں کا

سنگ خوشبوؤں کے محو سفر ہو جاتے ہیں

بے بسی میں گرتا ہوں جس سجدہٴ عشق کے لیے
وہ سجدہٴ عشق مجھ سے کبھی ادا کیوں نہیں ہوتا

فصل گل نے بے اعتبار کیا ہے مجھے
ترے قرار نے بے قرار کیا ہے مجھے

کچھ دیر تو جل لینے دو

۶۳

آتشِ نمرود میں چھوڑ کر مرا ہاتھ کہتا ہے مجھے
ہے گر وصلِ عشق کی چاہ، تو سفرِ آبلہ پائی کر

۶۸

کوہِ طور پہ چاہی تھی تری اک جھلک
بے قراریءِ عشق مجھے تھما دی تم نے

قسمتِ گل نے لکھے میرے لئے دکھوں کے نصاب
مبارک ہوں تجھے تیری فصلِ عشق کے سبھی گلاب

بے اعتباریوں کے اس موسم میں یہ اعتبار کون دے گا؟
لکھ لوں تجھے اپنے نصیبہ میں مجھے یہ اختیار کون دے گا؟

عشق کو سمجھنے سمجھانے میں دیر سویر تو ہی جاتی ہے
غم آشنائی کو چھپانے میں دیر سویر تو ہی جاتی ہے
نہ تھا مرا ، نہ ہے مرا ، نہ کبھی وہ ہو گا مرا
دل کو یہ سمجھنے سمجھانے میں دیر سویر تو ہی جاتی ہے
عشق ہے بے قراریاں ہیں، عشق ہے بے اعتباریاں ہیں
گتھیاں عشق کی سلجھنے سلجھانے میں دیر سویر تو ہی جاتی ہے

گر اجازت ہو، زلفِ یار سے کچھ رنگ چرا لوں
نا تمام آرزوئے وصل کو، ذرا یو نہی بہلا لوں
معلوم ہے اس خواب کی کوئی تعبیر نہیں ممکن
شبِ آرزو میں جو تجھے اپنے پہلو میں بٹھا لوں

ریشہ ریشہ جاں جل رہا ہے آہستہ آہستہ
زخمِ جگر سینے میں پل رہا ہے آہستہ آہستہ
چلے بھی آؤ کہ ہر سو بے قراری بہت ہے
ماہِ تاباں روح کا ڈھل رہا ہے آہستہ آہستہ

وقت کو ہر سانس کا حساب دینا ہے
ہر چہرے کو حسنِ گلاب دینا ہے
خوابِ دیس کو پانے کے واسطے
ہر ظلمت کو نیا ماہتاب دینا ہے
دروہامِ سبھی روشن ہوں جس سے
شہرِ ظلمات کو ایسا آفتاب دینا ہے
جرسِ زنجیرِ عدل بج چکی اب تو
اے حاکمِ شہر تجھے حساب دینا ہے

ہر مظلوم کو مل سکیں عدل کی برکات
اے منصفِ شہر وہ زنجیرِ عدل لانی ہوگی
بے خوف سر اٹھاکے چل سکے ہر بے نوا
شہرِ ظلمات کو اب ایسی ریت اپنانی ہوگی
یہ محشر کی خاص گھڑی ہے حساب تو ہوگا
آفتابِ عدل ابھر چکا، ریتِ ظلم کی مٹانی ہوگی

کوچہءِ عشق کے ہر گلاب کو جلا دو
جراتِ عشق کی یوں مجھ کو سزا دو

دے کر عرفان درداگہی کا، معتبر کیا مجھے
کر کے حرفِ عشق عطا، صاحبِ ہنر کیا مجھے

ریگ زارِ حُسن میں کب سے پپا ہے یہ کربلا
بنا ذکرِ حسین کے عشق کی داستان نامعتبر ہے

ہر ریشہء جاں سے آ رہی ہے صدا کر بلا کر بلا
کیا پھر کسی حسین کا امتحانِ عشق مطلوب ہے؟

۷۶

ضبط

برسی ہیں فصیلِ دل پہ
ضبط کی وہ بارشیں
روحِ عشق چٹخ کے رہ گئی ہے
ویرانہ عشق میں اترے ہیں
ملال کے وہ بادل
آگہی تڑپ کے رہ گئی ہے

صحرائے عشق کی بارش، پیغامِ نولائی ہے یہ
کربلائے عشق سے ہر روح کو اب گزرنا ہو گا

مجھ میں کہاں جمالِ ہنر شعر گوئی کا
سوچوں تجھے تو شعر و غزل ہو جاتے ہیں

بلا عنوان

تختِ دل پر براجمان ہوتی ہے

جب یاد تیری

میں شہرِ عشق کا

آسمان ہو جاتا ہوں

روح مری کے درودیوار جلا دے جو
اے عشق! مجھے وہ آتشِ نارسائی عطا کر
ہستیِ زیست مری کے تاروپود ہلا دے جو
اے عشق! مجھے کچھ ایسا دردِ آگہی عطا کر

پل صراطِ عشق پہ پھسل نہ جاؤں کہیں
اے مرے غمِ عشق! ذرا سنبھالنا مجھ کو

کس نے کہا عشق ملال دیتا ہے
عشق تو ہر بلا کو ٹال دیتا ہے

یہ پل صراطِ عشق ہے سنبھل کے قدم رکھیو!
ذرا پھسلے جو یہاں عذابِ ہجر میں گھر جاؤ گے

تیری یادوں کا عذاب اب سہا نہیں جاتا
پہاڑ سا دکھ ہے ہر کسی سے کہا نہیں جاتا

اک خلدِ بریں پانے کے واسطے
گلزارِ دنیا کو جہنم بنا دیا ہم نے
مسندِ معبدِ دل کے حقدار تھے جو
سر بازار انھیں بکوا دیا ہم نے

مرے لہجوں کی تھکن بتا دیتی ہے
سفر زیست مرا آسان نہیں تھا
دردِ آگہی ہے آبلہ پائی کا سبب
رستے میں مرے کوئی سائبان نہیں تھا
تنہائیوں کا سفر کہ ہے اب بھی جاری
صحرائے سفر میں کوئی انسان نہیں تھا
سنگ باری میں مجھ پہ وہی تھا پیش پیش
جس پہ کبھی مجھے، ایسا گمان نہیں تھا

فصیل جاں میں بس جاتی ہے زمانوں کی تھکن
انسان سے انسان تک کاسفر آسان نہیں ہوتا
اتر جاتی ہیں ان میں اماوس کی راتیں جھٹ سے
راہ میں جن انگھڑیوں کے کوئی ماہِ تمام نہیں ہوتا

حرف حرف ملامت ہوئی ہے زندگی
اپنے لئے تو قیامت ہوئی ہے زندگی
فضیلتِ دستار کی فضیلت تھی کبھی ہم سے
رسوائیوں سے اب تارتار ہوئی ہے زندگی
یہ شہر ملامت ہے یہاں سچ کا کوئی مول نہیں
منصفِ شہر کے حکم سے سنگسار ہوئی ہے زندگی
سقراط سے حسین تلک جو تھے شرفِ انسان
دے انہیں زہر پیالہ شرمسار ہوئی ہے زندگی

فصیلِ عشق میں قید ہیں رہائی نہیں چاہئے
شرفِ انساں پہ خوش ہیں خدائی نہیں چاہئے

روگ ہجر کا دلوں کو کھا جاتا ہے
دھ عشق کا روحیں ہلا جاتا ہے
نظر چرا کے ذرا بوسہ حیا دے دو
جی اٹھیں گے ہم ترا کیا جاتا ہے
بیٹی کے ہاتھ حنائی کرنے میں ہی
وقت، جوانی ماں کی کھا جاتا ہے
کر کے ہجر کے لمبے پینڈے یہ جانا
صیادِ عشق اتنا ظالم عمریں کھا جاتا ہے
شہرِ جفا کا تو ہر دستور نرالا ٹھہرا
وقت پہ اپنے ہر کوئی نظر چرا جاتا ہے

ساون

اب کے برس انکھیوں میں

وہ ساون جاگے

روح کی دھرتی اپنی

قریہ قریہ سیراب ہوئی

ہجر کے بادل

چھٹ گئے سارے

من پہ خوشی آباد ہوئی

حفظ ہوئے حرف

عشق کے سارے

کچھ دیر تو جل لیتے دو

روح سینے سے جو

آزاد ہوئی

گم شدہ

شہر کے گرد و غبار میں

کھو گئی زندگی

ندی کنارے شاخ گل پہ

اب چڑیاں

اکھیلیاں نہیں کرتیں

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۹۳

ہر حسن کو زوال ہے اس پہ اترائیے نہ
ہجر تو عشق جمال ہے اس پہ گھبرائیے نہ

۹۹

سرشاری

ہر قفس کا ہے دروازہ کھلا
ہر بلبل اب آزاد ہوئی
گلوں میں ترے رخسار کے
وہ رنگ کھلے
ہر تتلی دل کی
سرشار ہوئی

کون کہتا ہے عشق لاوارث کر دیتا ہے
یہ تو انسان پہ محبتوں کی بارش کر دیتا ہے

۹۶

وحی

ہجر تو ہے

اک

وحی عشق کی

جو

ہر دل پہ

نازل ہوا نہیں کرتی

روگ ہجر

روگ ہجر کے
سینوں میں کب پلتے ہیں
یہ دیے
تو
معبود ہی جلتے ہیں

معراج عشق

جسم کے پا لینے کو
معراج عشق سمجھنے والو!

عشق

تو

جسم فنا سے ماورا ٹھہرا

جسم ٹوٹ کر

روگ سے بکھر جائے ہیں

عشق

تو

بکھرنے سے ہر جا ماورا ٹھہرا

ازل کی بے قرار یوں کو قرار ملتا ہے
صدقِ عشق میں یزداں کا پیار ملتا ہے
تن من کی کثافتیں سبھی دھو ڈالے ہے
لطافتِ عشق سے روح کو نکھار ملتا ہے
خزاؤں میں چھپا لاتا ہے نئے برگ و بار
عشق سے رگِ جان کو مے کھن کا خمار ملتا ہے

وہ شوخ نگاہیں ، وہ تری بے باک آنکھیں
کب بھلا پائے ہم وہ تری خوابناک آنکھیں

اشکِ یار سے مانگی ہیں وہ بارشیں
حسنِ عشق کو جواک نیا نکھار دیں
ہم فقیروں کے حال پہ نہ کر استہزاء
ہمی تو ہیں جو شہرِ عشق کو نئی بہار دیں

اک عمر کٹی ہے مری ترے عشق کے امتحانوں میں
عشق ترا ہمیں لیے پھر اُن دیکھے نگر نگر بیابانوں میں
مسجد میں، نہ، مندر میں، ہمیں کہیں، خدا ملا نہیں
کیا خبر وہ مل جائے کبھی شہر عشق کے میخانوں میں
مے کھن گر پلا دو اپنے ہاتھوں سے میں جی اٹھوں گا
مریض ہجر کو دوا نہیں ملتی اس شہر کے دواخانوں میں
حرص و ہوا عام ہوئے، باب مہر وفا کے تمام ہوئے
یہ کیسی ریتِ جفا عام ہوئی اس دور کے انسانوں میں

وقت نے ڈالیں پاؤں میں مرے سفر کی بیڑیاں
طوقِ ہجر گلے میں ڈالے پھروں مارا مرا پردیس
آنکھ میں سمائے صبر کے آنسو، من میں جلائے جوت
وعدہٴ فردا کی آس میں پھروں نگر نگر دیس پردیس

پیشانی سے جاتا نہیں داغِ ہجر
کاتبِ تقدیر نے لکھا ایسا نصیب
اوروں کے حصّے میں لکھیں منزلیں
اپنے باب میں لکھی سفر کی صلیب

لاکھ کیے ہیں سجدے تیری بارگاہ میں مگر
ابھی تلک ہوا نہیں سجدہء جنوں ہم سے ادا

کیا معجزہ چھپا ہوا ہے تیرے دستِ مسیحائی میں
جی اُٹھے ہیں پھر سے مرے سبھی مُردہ احساس

۱۰۷

نئے خواب

احساس کی پلکوں تلے
رکھ کر دکھ کی قدیلیں

کہتا ہے

عشق مجھے

اب

اپنی ان شوق بھری
بے خواب آنکھڑیوں میں

وصلِ یار کے

کچھ خواب نئے سجا

مومی احساس

ان سسکتی بِلکُتی !!
بے خواب رُتوں میں
تری یادوں کی
راکھ سے اکثر
موم ہوئے جاتے ہیں
سبھی احساس مرے

۱۰۹

ڈھونڈ ہی لیتے ہیں

لاکھ بن کے گننام رہوں

دور!!!!

خوشیوں کے پرائے دیس میں

کہیں!!

ہو کے بے چین مگر

ڈھونڈ ہی لیتے ہیں

دکھ کے سائے مجھے

یادوں کی سلگتی سانسوں تلے
امید کا دیاجب سسکنے لگتا ہے
احساسِ درد بھلانے کے لئے
ترے نام کی مالا چنے لگتا ہے

پھرے ہے انسانیت تلاشتی کسی ابراہیم کو
سلطانِ شہر نے آتشِ نمرود پھر دہکائی ہے

۱۱۲

اُمید

دل کے !!

کسی کو نے کھد رے میں

زندہ ہے ابھی

تجھ سے ملنے کی

موہوم سی اُمید ابھی

تری !

یادوں کی راہ،

چنگاری سے

کچھ دیر تو جھل لینے دو

گرمی محبت ابھی تک

گئی نہیں

تری یاد کے احساس سے

ان بو جھل ہوتی پلکوں تلے

نین سمندر پہ

ترے

غمزہ ور خسار کا رنگ

ابھرنے لگتا ہے

اور

کھلنے لگتے ہیں

کچھ

کچھ دیر تو جل لیتے دو

خواب گلاب نئے نئے

جو

تجھ سے ملنے

کی

آس دلاتے ہیں

پھر!!

اس امید کی

دھیمی دھیمی خوشبو سے

مہکنے لگتی ہے ہستی مری

۱۱۳

سجوک

من کی پیاسی دھرتی پہ

جب

تیری یادوں کی

پھوار پڑے

کھل اٹھتے ہیں

روح کے گلاب سارے

اور

پھوٹنے لگتی ہیں

کچھ دیر تو جل لیتے دو

کو نپلیں نئی امیدوں کی

کیا خبر!!!

کب اور کہاں

کسی دورا ہے پر

وقت کا منصف

کچھ رحم کرے

اور

پھر!!

تیرا مجھ سے

سنجوک کرادے

کس سے کہوں دُکھڑے سارے
تم تو جا بسے ہو دور پردیس
رت جگوں میں مری کٹی جوانی
موہے پیا کب لوٹو گے اپنے دیس
زلفوں میں اب اتر آئی ہے چاندی
وقت نے یوں بدلا ہے اپنا بھیس
جذبے دل کے آگینوں سے نازک
کر نہ انھیں سبزہ سبزہ لگا کے ٹھیس

بارگاہِ عشق میں اک سجدہ کے لئے
ہجر کی بارش سے کرتے ہیں غسل

بوسہٴ عشق میں قید لب کھلیں تو کچھ ایسے
اک تری دعا ہو جائے اک مری دعا ہو جائے

چرا لی ہے گلابوں نے خوشبو تری
ہر گلاب سے آئے ہے خوشبو تری

سجدہ جنوں کی نہیں ہے قضا
نوکِ ہجر پہ کرنا ہو گا ادا

ہر حرف مرا سکیاں بھرے ہے
یہ معجزہ بھی ترا عشق کرے ہے

روحوں میں سمانے کا ہنر سکھلا دیتا ہے
عشق تو معبودِ دل کا یزداں بنا دیتا ہے

۱۲۱

تجھ سے بچھڑ کر

رودیتا ہے

سارے ضبط کھودیتا ہے

مرا عشق

خاموشیوں کے

شور سے جگتی ہیں صبحیں میری

بے موسم بارشوں میں

تیری یادوں پہ

رودیتا ہے

مرا عشق

انسان کو وعدہ عشق کی تکمیل سکھلا گئی
سجدہ حسین کی ادا عشق کو بھاگئی

کچھ دیر تو جل لینے دو

۱۲۳

جس تنہائی سے مراد م گھٹنے کو ہے
کسی آنچل کی مجھے ہوا دی جائے

۱۳۲

کر کے بے ثمر مری ریاضتیں چھوڑ دیا مجھ کو
ضبط کی بارشوں نے یوں توڑ دیا مجھ کو
راہِ ہجر سے گر پلٹوں تو کافر ہو جاؤں میں
خوئے عشق نے یہ کیسا موڑ دیا مجھ کو
دل کی شوریدہ سری میں کتنے ہی سوال تھے لیکن
روح کی خاموشیوں نے مری بھنچھوڑ دیا مجھ کو
زمانے کی ٹھوکر بے اعتنائی نے کیا تھا شکستہ بدن
یہ اعجازِ عشق ہی تھا جس نے جوڑ دیا مجھ کو

۱۲۵

آس

آنکھ میں جوت جلائے

پیاملن کی آس

تن کا قفس

توڑ کے بھاگے

روح کا پنچھی

ڈال ڈال منڈلاتا پھرے

اور

من کا گیت سنائے

گیت میں اس کے

کچھ دیر تو جل لینے دو

دکھ ہجر کے بولیں

ہر آنکھ میں

اشکوں کی جھڑی لگائیں

لیکھ لکھن کے

کب پورے ہوں

ختم ہوں کب

ہجراں کی گھڑیاں

اور

پیا کی سنگت پاؤں

ہجر میں اک عمر بتائی
آنکھوں میں کٹے پردیس
ملن کی جب گھڑی آئی
بدل گئے وہ اپنا دیس

شہر ہجراں سے ہجرت کی اجازت نہ ملی
حق جنوں ہو جس سے ادا وہ عبادت نہ ملی

صفحہ ہستی کو جلا دیتا ہے عشق
خوف مٹنے کا مٹا دیتا ہے عشق
دہلیز ہجر پہ کٹ جاتی ہے اک عمر
خوئے وفا کی یہ سزا دیتا ہے عشق

گر کسی سے نفرت کی انتہا ہو
دل چاہے کہ اسے بد و عا دو
ہاتھ اٹھا کے بس اتنا ہی کہنا
تجھے بھی سوغاتِ عشق عطا ہو

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۱۳۰

وہ گر ہو آمادہٗ الفت ہم سے
جہانِ نو جنوں کا بسا دیں گے ہم

۱۴۰

انگھیلیاں کرے ہے ہم سے جب تمہارا عشق
ضبط کے سبھی بندھن ہمارے ٹوٹ جاتے ہیں

۱۳۲

انتساب

ترے لہجے کی
خوشبو میں بھگیے ہوئے

وہ!!

چند حرف
نصابِ عشق کا
انتساب کھلاتے ہیں

خوئے جنوں نے کھلائے ہیں عشق کے وہ گلاب
روح سے جن کی مہک، اک عمر تلک نہیں جاتی

ہر بیمارِ عشق کے لئے اک دعا ہو جاؤں
اے عشق! میں تجھ میں اتنا فنا ہو جاؤں

نصابِ عشق کا تقاضا ہے بھی فقط اتنا
اجرِ جاؤ کسی سے اُف تک نہ کرو تم

رکھ کر محرابِ عشق پہ شوق کے سجدے
ہر لذتِ شوق کی میں انتہا چاہتا ہوں
جس سے ہونے لگیں الہامِ عشق کے
اے عشق ! تجھ سے وہ دعا چاہتا ہوں

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۱۳۷

وقت کی سان پہ چڑھ جاتی ہے
نہ ہو عشق تو زندگی مر جاتی ہے

۱۴۷

نصابِ عشق کا حرف حرف سکے ہے
دردِ آگہی سے بڑھ کر ظالم نہیں کوئی

نین پلک کنارے سجے انتظار کے موسم
انکھڑیوں میں بسے کچھ بے قرار سے موسم
آؤ! پی ہی لیتے ہیں مے ہجر کی ہم بھی
دھیرے سے گزر نہ جائیں کہیں خمار کے موسم

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۱۴۰

ہر بے بسی کو جراتِ رندانہ بنا دیتا ہے
عشق انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے

۱۵۰

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۱۴۱

معراج عشق ہوتی نہیں اسے نصیب
عمر جس کی کٹے نہ لہو رنگ آنکھوں میں

۱۴۲

اوّلین باب

سہمی سہمی سانسیں

اور

رت جگوں سے روشن

بے خواب آنکھیں

اوّلین باب ہے عشق کا

۱۴۳

آوارہ زلفیں

سنجھال کے رکھو ذرا

تم!

اپنی سیاہ آوارہ زلفیں

مرے دل ناداں کو

ادھر ادھر

الجھائے ہیں

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۱۴۴

نیندیں

رکھ کر میری بے خواب آنکھوں

میں

کچھ خواب

عشق ترے نے

نیندیں اڑا دیں میری

کچھ دیر تو جل لیتے دو

۱۴۵

سجدہ شوق کبھی نہ ہو مجھ سے قضا
اے عشق مرے مجھے ایسی دوا دے

۱۴۶

عشق کے نصاب

بے کلی و بے خوابی
ہنجو، ہو کے، تے ہاواں

اور

ہجر کی سُولی
لکھے ہیں
کاتبِ تقدیر نے
عشق کے سبھی نصاب
مرے حساب میں

۱۴۷

کٹھور

کتنا کٹھور دل ہے

یہ صیادِ عشق بھی

پاؤں میں ڈال کر

بیڑیاں!

کہے ہے مجھ سے

چل اٹھ

اب سفر ہاجر

کی

ابتدا کر

اسے بھی مات ہوئی بازیِ عشق میں آج
جاننا تھا جو عشق کے سوال و جواب سبھی
خوابِ وصلِ آرزو کی تعبیریں عطا ہوئیں تجھے
اپنے حصے میں آئے ہیں عشق کے حساب سبھی

جدائیاں مار دیتی ہے

ریت ہجر کی

آنکھوں میں اتری

اور

اشکوں کے سبھی دریا

خشک ہوئے

تن کے صحرا میں

کڑکتی دھوپ پڑی

خوشبو کے سائے ہوا ہوئے

کچھ دیر تو جل لیتے دو

دور!

پرائے دیس میں
ہجر کی سنگلاخ چٹانوں نے
ملائم لہجہ ترا بھلاسا دیا
رات دیر گئے

جب

تن بدن کی تھکن سے
پل بھر کے لیے
کبھی جو آنکھ لگے
بھولے بسرے خوابوں میں
یوں آتے ہو

بُن میں جیسے

اچانک پھوار پڑے

چند لمحوں کی خوشی دے کر

پھر

بادل مرے خوابوں کے

روانہ ہو جاتے ہیں

کسی انجائے دیس

مرے من کی دھرتی پہ

پھر اسی کڑکتی دھوپ کا سایہ

تیری یادوں کی

ہر کو نیل کو کملا نے چلا

ایسے میں تم ہی کہو

کون سی یادیں

دیر تلک زندہ رہ پاتی ہیں

نین کنارے پلکوں پہ سجے

ادھ جلے آنسو بھی

صحرا کی لو

لے اڑتی ہے

اور

مرے بے جاں ہاتھوں میں

تری یادوں کے

نیم جاں لاشے رہ جاتے ہیں

کچھ دیر تو جل لیتے دو

ان کو دغاؤں

یا

خود کو

سچ کہا ہے لوگوں نے

جدائیاں مار دیتی ہیں

۱۵۰

کب کوئی زندہ رہ پاتا ہے؟

جس دلیس میں

نفرت

عمریا سے بھی لمبی ہو

انسانی قد سے اونچی ہوں

فضیلیں انا کی

جس دلیس میں

منبر سے کفر کے فتوے

بٹتے ہوں

جن کے ہاتھوں

انسان ہی انسان سے کٹتے ہوں

ہاتھ میں لے کر

دستار و جبّہ

فرقہ و ذات کی فصلیں بوتے ہوں

جس دیس میں

بوڑھی ہوتی مائیں

بیٹوں پہ اک بوجھ کھلاتی ہوں

اور

مائیں بچوں سے ہاتھ چھڑوائیں

جس دیس میں

اپنے ہی بابل کے ہاتھوں

بیٹیوں کے گلے کٹتے ہوں

اور جہاں

صبح سویرے اور شام ڈھلے

حوا کی بیٹیاں لٹتی ہوں

اور

مجرم بے خوف عیاشی کریں

حوا کی بیٹی اپنی بربادی پر

کھل کر رو بھی نہ سکے

اور

گھٹ گھٹ کر مر جاتی ہو

اب تم ہی کہو !!!

ایسے میں کب کوئی زندہ رہ پاتا ہے

جس دیس میں

آنکھیں ہوں نفرت سے اٹی

اور

ہر چہرے پہ تکبر کی پہرہ داری ہو

چور خود کو سادھو کہیں

اور

لٹا کی ہر جا جا رہ داری ہو

بونے خود کو بقراط کہیں

اور جہاں

فرمانِ الہی پر قبیلے کا سردار بھاری ہو

اب تم ہی کہو !!!

ایسے میں کب کوئی زندہ رہ پاتا ہے

جس دیس میں

دھوکہ ہو عیّاری ہو

جس جادیکھو

فریب و مکر کی عملداری ہو

جس دیس میں

بچے سکول نہ جا پاتے ہوں

اور

گھر بار کا بوجھ اٹھاتے ہوں

سارا دن سڑکیں کو ٹیوں

کچھ دیر تو جل لینے دو

لیکن !!

پوری نہ پڑے

کھیت کھلیان بسانے والے

بھوکے پیٹ سو جاتے ہوں

وہیں کچھ لوگ

لمحوں کے لاکھ اٹھاتے ہوں

اب تم ہی کہو !!!

ایسے میں کب کوئی زندہ رہ پاتا ہے

جس دیس میں

بے ضمیر لکھاری ہوں

اور سچ کہنے والے

سڑک کنارے مارے جاتے ہوں

اور

قاضی مظلوموں سے ٹھٹھہ کریں

اور جہاں

زاغ بلبیل کا مذاق اڑاتے ہوں

پرندے جا کہیں اور بسیرا کریں

دھرتی کا سینہ روشن کرنے والے سورج

شام ڈھلے اوڑھ کے دکھ کی چادر

سو جاتے ہوں

جہاں

بام و در جھلملانے والا چندا

کچھ دیر تو جل لیتے دو

طلوع ہونے سے گھبراتا ہو

دیکھ کے یہ منظر

آنکھیں پتھرا جائیں

اور

دل کیوں نہ بھاری ہو!!!

اب تم ہی کہو!!!

ایسے میں کب کوئی زندہ رہ پاتا ہے

گر رہ جائے زندہ

تو

جیتے جی مر جاتا ہے!

۱۵۱

خود کلامی

یا الہی!

لے آئی ہے کس مقام پہ

مجھے یہ زندگی

جہاں

میری سماعتوں کو

روح مری کی

کرب سے اٹی

چنچیں سنائی نہیں دیتیں

شام ڈھلے، الاؤ تیری یادوں کے دہکنے لگتے ہیں
خوشبو سے تیری، احساس مرے مہکنے لگتے ہیں
کھل اُٹھتی ہیں بڑے ناز سے خوشبو کی کلیاں
شاخ گل پہ بیٹھے پرندے جب چمکنے لگتے ہیں
یوں کھولے اپنی ریشمی زلفیں محفل میں آیا نہ کرو
دیکھ تمہیں اپنے درمیاں مے خوار سبھی بہکنے لگتے ہیں

۱۵۳

تینوں فکر نہ کوئی

لوں لوں میرا سواہ ہو یا

عشق تیرے دے بھانہڑ وچ

پر تینو ترس نہ آوے کوئی

جندڑی ساڈی

ایویں نچ نچ کملی ہوئی

دل ہر ویلے

تیرے ناں دی تسبی کردا

ہور کسے دی

ایہہ سن داناہیں

کچھ دیر تو جل لیتے دو

سمجھا سمجھا ایہنو

ساری دنیا تھکی

ویری ہو یا

سارا زمانہ ساڈا

پر تینو فکر نہ کوئی

۱۵۴

بھوک

بھوک ہے اک

خون آشام

درندہ

جو

انسان کو کھا جاتا ہے

انسان سے بڑھ کر

مجبور نہ کوئی

کچھ دیر تو جل لیتے دو

جو

تن کی بھوک مٹانے کو

تن کو ہی پیچ ڈالے ہے

لگا کر مجھے سینے سے سلا دیتی ہے
تم سے اچھی تو میری تنہائی ہے